لغات و اعرابِ قرآن (۳۱)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۲۱)

(آیت ۳۰)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

© rasailojaraid.com

۲:۲۱ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

© rasailojaraid.com

۲ : ۲۱ : ۱ اللغة

[وَ] "وَ" کے معانی واستعمال پر ۱ : ۴ : ۱ (۳) اور ۲ : ۷ : ۱ (۱) میں بات ہو چکی ہے ۔ یہاں بھی واو عاطفہ نہیں بلکہ مستانفہ ہے ۔ یہاں سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے جس کا پچھلے جملے (کے مضمون) پر عطف نہیں ہوسکتا ۔ اردو ترجمہ "اَوْر" سے ہی کیا جاتا ہے ۔

۲ : ۲۱ : ۱ (۱) [إِذْ] عربی زبان میں یہ لفظ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ جس کی تفصیل یوں ہے :-

(۱) بنیادی طور پر یہ ظرفیہ ہوتا ہے اور عموماً یہ ظرف زمان (وقت) کا مفہوم رکھتا ہے یعنی یہ "حِيْنَ" کے معنی دیتا ہے ۔ یہ زیادہ تر زمانۂ ماضی کے لیے آتا ہے اور عموماً کسی جملہ فعلیہ کی طرف مضاف ہوتا ہے [چونکہ ظرف ہمیشہ مضاف ہو کر استعمال ہوتے ہیں (قبل ۔ بعد وغیرہ) اس لیے ظرف ہونے کی بناپر نحوی حضرات "إِذْ" کو مضاف اور مابعد والے جملے کو مضاف الیہ سمجھ کر محلاً مجرور قرار دیتے ہیں] ۔ جیسے "فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا" (التوبۃ : ۴۰) میں ہے ۔ اس (کے ظرفیہ ہوتے) وقت اس (اذ) کا اردو ترجمہ "جب، جس وقت، جب کہ" سے کیا جا سکتا ہے ۔

(۲) کبھی ظرفیت کے معنوں کے ساتھ یہ مفعول بہ بھی واقع ہوتا ہے یعنی اس سے پہلے کوئی ایسا فعل ہوتا ہے جس کا اسے مفعول بہ کہہ سکتے ہیں ۔ اس وقت بھی اس (اِذْ) کے بعد کا جملہ عموماً فعل ماضی پر مشتمل ہوتا ہے ، یعنی اس (مابعد جملے) کا فعل یا تو لفظاً معنیً دونوں طرح "ماضی" ہوتا ہے اور کبھی لفظاً مضارع مگر معنیً ماضی ہوتا ہے ، جیسے "واذ یرفع ابراھیم القواعد (البقرۃ : ۱۲۷) میں ہے ۔ اور کبھی اس (اذ) کے بعد والا جملہ اسمیہ بھی ہوتا ہے ، جیسے "فسوف یعلمون اذ الاغلال فی اعناقھم" (المومن : ۷۱ - ۷۰) [بطور

© rasailojaraid.com

مثال بیان ہونے والی آیات کے معنی وغیرہ پر اپنی جگہ بات ہوگی۔ اس سے پہلے آپ ضرورت محسوس کریں تو کسی مترجم قرآن مجید میں سے ترجمہ دیکھ کر قاعدہ سمجھ سکتے ہیں، آیت کا حوالہ اسی ضرورت کے لیے دیا گیا ہے] اس (مفعول بہ ہونے والی) صورت میں "اِذ" کا ترجمہ "اس وقت کو" یا "اس وقت کو جب" ہونا چاہیئے۔ تاہم بامحاورہ اردو ترجمہ اس کا بھی "جب کہ، جس وقت کہ" سے ہی کیا جاتا ہے ــــ
ــــ بعض دفعہ اس (اِذْ) سے پہلا فعل (جس کا یہ مفعول بہ ہوتا ہے) محذوف کر دیا جاتا ہے ــــ جو عموماً اذکروا (یاد کرو......کو) یا اس کے ہم معنی کوئی فعل سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں "اِذْ" کا زیادہ تر استعمال بطور مفعول بہ ہی ہوا ہے۔ اور قرآنی قصوں میں خاص طور پر اس کا استعمال ایک محذوف فعل کے مفعول بہ کے طور پر ہوا ہے جس کی ایک مثال یہی زیرِ مطالعہ آیت ہے یعنی "(اذکروا) اذ قال ربّکَ" (اس وقت کو یاد کرو جب ــ کہا تیرے رب نے)۔

(۳) کبھی "اِذ" بعض ظروف (مثلاً حینَ، یومَ، بعدَ، قبلَ وغیرہ) کے ساتھ مضاف الیہ ہو کر آتا ہے۔ اس صورت میں بھی "اِذ" کے بعد ایک جملہ فعلیہ آتا ہے، جیسے "بعدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا (آل عمران : ۸)۔ مگر مضاف الیہ ہونے کی (مذکورہ) صورت میں بعض دفعہ "اِذْ" کے بعد والا جملہ حذف کر دیا جاتا ہے۔ اور اس (جملے) کے عوض "اِذْ" کی "ذ" پر تنوین جر کی طرح دو کسرہ (ٍ) لگا دیتے ہیں (مگر دراصل یہ تنوینِ جر نہیں ہوتی۔ اسے "تنوینِ عوض" کہتے ہیں) جیسے یَوْمَئِذٍ، حِیْنَئِذٍ وغیرہ۔ اس وقت اس کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح ہونا چاہیئے یَوْمَئِذٍ (اس دن جب کہ......)، حِیْنَئِذٍ (اس وقت جب کہ......) وغیرہ۔ تاہم بامحاورہ اردو میں اس قسم کی ترکیب کا ترجمہ عموماً "جس دن کہ"، "جس وقت کہ" یا "جب کہ" سے کر لیا جاتا ہے۔ اس قسم کی متعدد تراکیب آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی۔

(۴) کبھی "اِذْ" تعلیل کے لیے بھی آتا ہے یعنی "لِأَنَّ" کے معنی دیتا ہے

© rasailojaraid.com

اور اس کا اردو ترجمہ "کیونکہ، چونکہ، اس لیے کہ" سے کیا جا سکتا ہے جیسے "ولن ینفعکم الیوم اذ ظلمتم (الزخرف : ۳۹) میں "اذ ظلمتم" کے معنی "اس لیے کہ تم نے ظلم کیا" ہیں۔ ویسے غور سے دیکھا جائے تو اس "اذ تعلیلیہ" میں بھی ظرفیت والے معنی موجود ہیں۔ اور اس کا ترجمہ بھی حسب موقع "جب کہ" سے کیا جا سکتا ہے۔

(۵) کبھی "اِذَا" کی طرح "اِذْ" بھی فجائیہ آتا ہے یعنی "اچانک"، "ناگہاں" کے معنی دیتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں "اِذْ" فجائیہ کا استعمال کہیں نہیں ہوا۔ عربی اشعار میں البتہ اس کی کچھ مثالیں ملتی ہیں۔

● "اِذْ" اور "اِذَا" (جس کے معنی و استعمال پر البقرہ : ۱۱ یعنی ۲:۹:۱(۱) میں بات ہوئی تھی) دونوں ہی زیادہ تر ظرف زمان کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ دونوں کا با محاورہ اردو ترجمہ "جب" سے کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان دو میں نمایاں فرق یہ ہے کہ "اذ" زیادہ تر زمانۂ ماضی کے کسی "معیّن وقت" کا مفہوم رکھتا ہے۔ اور "اِذَا" عموماً زمانۂ مستقبل کے کسی "غیر معیّن وقت" کا مفہوم رکھتا ہے۔

اسی بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ "اِذ" کے ساتھ آنے والے فعل کا ترجمہ عموماً ماضی سے کیا جاتا ہے چاہے وہ فعل مضارع ہی کیوں نہ ہو، جیسے "اذ تقول للمؤمنین" (آل عمران : ۱۲۴) ___ اور "اِذَا" کے بعد والے فعل کا ترجمہ عموماً مستقبل سے کیا جاتا ہے چاہے وہ صیغۂ ماضی ہی کیوں نہ ہو جیسے "واذا قیل لھم" (البقرہ : ۱۱) یہ تو آپ ۲:۹:۱(۱) میں پڑھ چکے ہیں۔

[قَالَ] کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "فَعَلَ" ہے۔ اصلی شکل "قَوَلَ" تھی جس میں متحرک "و" ماقبل کے مفتوح ہونے کے باعث "الف" بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے یعنی قَوَلَ سے قال ہو جاتا

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے باب اور معنی و استعمال پر البقرہ : ۸ یعنی ۲ : ۷ : ۱ (۵) میں بات ہو چکی ہے ۔ قَالَ کا ترجمہ "کہا" ہے جو یہاں سیاقِ عبارت کی بنا پر "فرمایا" ہو سکتا ہے ۔

[رَبُّكَ] یہ رب + كَ (ضمیر مجرور بمعنی "تیرا") کا مرکب ہے ۔
لفظ "رب" کے مادہ، معنی وغیرہ پر مفصل بحث الفاتحہ : ۲ یعنی ۱:۲:۱(۳) میں ہو چکی ہے ۔

۲:۲۱:۱(۲) [لِلْمَلٰٓئِكَةِ] یہ دراصل لام الجر (لِ بمعنی "کو، سے") + لام تعریف (ال) + "ملائکۃ" کا مرکب ہے ۔ کلمہ "ملائکۃ" (یہ اس کی عام عربی املاء ہے اس کے رسم عثمانی پر بحث "الرسم" میں ہوگی) جمع (مکسر) کا صیغہ ہے اور اس کا وزن بظاہر "مَفَاعِلَةٌ" ہے ۔ اس کا واحد "مَلَكٌ" ہے جس کا ترجمہ فارسی لفظ "فرشتہ" سے کیا جاتا ہے۔ اس کی جمع "ملائکۃ" کے علاوہ "ملائِكُ" (غیر منصرف) بروزن "مفاعِلُ" بھی آتی ہے، (قرآن کریم میں یہ دوسری جمع کہیں استعمال نہیں ہوئی) ۔ لفظ "مَلَكٌ" کے مادہ اور وزن کے بارے میں متعدد قول ہیں :[1]

(۱) زیادہ مشہور یہ ہے کہ اس کا مادہ "أ ل ك" اور وزن اصلی مَفْعَلٌ ہے، یعنی یہ لفظ دراصل "مَأْلَكٌ" تھا پھر (چاقو قاچو کی طرح) اس فائے کلمہ اور عین کلمہ کو باہم ایک دوسرے کی جگہ بدل کر لفظ مَلْأَكٌ (بروزن مَعْفَلٌ) بنالیا گیا اور پھر کثرتِ استعمال سے "مَلَكٌ" ہوگیا۔ گویا اب اس کا وزن "مَعَلٌ" رہ گیا ہے ۔ اور اس کی جمع (ملائکۃ) کا وزن اب "مَعَافِلَة" ہوگیا ہے ۔ اس مادہ (ألك) سے فعل مجرد "أَلَكَ يَأْلِكُ أَلُوكًا" (باب ضرب سے) آئے تو اس کے معنی "ایلچی بننا، پیغام لے جانا" ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں : أَلَكَ

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے ابن الانباری کی البیان فی غریب اعراب القرآن، ج ۱ ص ۷۱ - ۷۰، نیز مختلف ڈکشنریوں میں تحت مادہ "ألك و لأك"۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

بین القوم - قوم کے درمیان ایلچی بنا۔ اور " اَلُوکۃ " کے معنی " رسالۃ " یعنی پیغام ہیں۔ اور اَلَكَ یاٰلُكُ (باب نصر سے) "گھوڑے کا منہ میں لگام چبانا" کے معنی دیتا ہے " پیغام " اور " منہ میں چبانا " کے درمیان بھی ایک نسبتِ معنوی ہے ۔

(۲) اس (مَلَكٌ) کا مادہ " ل اَ ك " ہے اور وزن اصلی " مَفعَلٌ " ہی ہے ، اس کی اصلی شکل " مَلْاَكٌ " (بغیر کسی " قلب " یا الٹ پھیر کے) ہے ، اور اس میں (بوجہ کثرت استعمال) ھمزہ گر گیا اور لفظ " مَلَكٌ " رہ گیا ۔ اس صورت میں " مَلَكٌ " کا وزن " مَفَلٌ " رہ گیا ہے اور اس کی جمع (ملائکۃ) کا وزن " مَفَاعِلَۃٌ " ہی ہے ۔ اس مادہ (ل اَ ك) سے اگرچہ فعل مجرد (لَأَكَ) استعمال نہیں ہوتا مگر اس سے باب اِفعال میں اَلْأَكَ کے معنی " اَبْلَغَ " (پہنچایا) پیغام وغیرہ) ہی ہوتے ہیں ۔ اس طرح ان دونوں مادوں (اَلك یا لأك) سے لفظ " مَلَكٌ " کا معنوی تعلق " پیغام رسانی " والا ہے جو ملائکہ کے فرائض میں سے ہے یعنی " اللہ کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچانا "۔

(۳) ایک قول یہ ہے کہ اس کی اصل " ل و ك " ہے ۔ اس سے فعل مجرد لَاكَ یلوكُ " کے معنی بھی " منہ میں کچھ چبانا " ہیں ۔ اس صورت میں لفظ دراصل " مَلْوَكٌ " تھا اس سے " مَلَاكٌ " (واو کی حرکت لام کو دے کر اسے الف میں بدلنے سے) بنا ۔ پھر اس سے " مَلَكٌ " بنا لیا ۔ اب جمع دراصل " ملاوکۃ " تھی جس میں واو کو ھمزہ میں بدل دیا گیا ۔ وزن " مَفَاعِلَۃ " ہی رہا ۔

(۴) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ (مَلَكٌ یا مَلَاك) سریانی الاصل ہے یعنی سریانی سے عربی زبان میں آیا ہے ۔

(۵) ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ اس کا عربی مادہ " م ل ك " ہی ہے فعل " مَلَكَ يَمْلِكُ (ض) " کے معنی " حاکم ہونا اور طاقتور ہونا " ہیں گویا یہ لفظ (مَلَكٌ) اسی مادہ سے ماخوذ ایک دوسرے لفظ (مَلِكٌ = بادشاہ) کی

© rasailojaraid.c

طرح فرشتے کے منصب یا قوت کو ظاہر کرتا ہے مگر اس صورت میں اس کا وزن " فَعَلٌ " ہے اور اس کی جمع " ملائکۃ " کا وزن " فعائلۃ " بنتا ہے، اور عربی زبان میں " فَعَلٌ " کی جمع مکسر " فعائِلۃ " نہیں آتی۔ لہٰذا یہ قول غلط ثابت ہوتا ہے یا پھر یہ جمع ایک ایک شاذ وزن پر آئی ہے [1]

۲:۲۱:۱(۲) [اِنِّیْ جَاعِلٌ] اس میں " اِنِّیْ " تو اِنَّ + ی کا مرکب ہے جس کا ترجمہ ہے " بے شک / یقیناً میں ....." یہ مرکب قرآن کریم میں نونِ وقایہ کے ساتھ " اِنَّنِیْ " بھی کئی جگہ استعمال ہوا۔ معنی ایک ہی ہیں۔

"[جاعل]" کا مادہ " ج ع ل " اور وزن " فاعِلٌ " ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد جَعَلَ یَجْعَلُ کے معنی اور استعمال کے بارے میں البقرہ : ۱۹ [۲:۱۹:۱(۵)] میں بات ہو چکی ہے۔ " جَاعِلٌ " اس فعل سے اسم الفاعل ہے اور اس کا ترجمہ ہے : " پیدا کرنے والا ، بنانے والا ، مقرر کرنے والا۔ " اور اکثر مترجمین نے یہی ترجمہ (بنانے والا) کیا ہے۔ بعض حضرات نے اس (جاعل) کا ترجمہ " مجھ کو بنانا ہے ، میں ضرور بناؤں گا ، میں بنانا چاہتا ہوں " کی صورت میں کیا ہے، یہ مفہوم اور محاورے کے لحاظ سے درست سہی تاہم اس میں اسم کا ترجمہ صیغۂ فعل (مضارع) سے کر دیا گیا ہے اور لفظ سے ہٹ کر ہے۔ لفظ " جاعِلٌ " مختلف صورتوں (واحد جمع، مفرد مرکب) میں قرآن کریم کے اندر ۹ جگہ وارد ہوا ہے۔

۲:۲۱:۱(۴) [فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً] " فی الارض " تو " فی " (میں۔کے اندر) اور " الارض " (زمین) کا مرکب ہے یعنی " زمین میں " اور محاورۃً " زمین پر " بھی کہہ سکتے ہیں۔

" خَلِیْفَۃ " کا مادہ " خ ل ف " اور وزن " فَعِیْلَۃٌ " ہے (یہاں لفظ " خلیفۃ " منصوب آیا ہے، نصب کی وجہ پر " الاعراب " میں بات ہو گی)

---

[1] التبیان للعکبری ج ۱ ص ۴۷۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد مختلف ابواب (مثلاً نصَر، ضرَب، سمِع اور کرُم) سے مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بعض دفعہ ایک ہی باب سے ۔۔۔ مصدر کے فرق کے ساتھ ۔۔۔ مختلف معنی کے لیے آتا ہے ۔ یہ فعل عموماً لازم، متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور بعض صِلات (مثلاً "لِ"، "علی" اور "عَنْ") کے ساتھ خاص معنی بھی دیتا ہے ۔ مثلاً :-

خلَف ۔۔۔۔ یخلُف خَلْفاً (باب نصر سے) کے معنی ہیں: "۔۔۔۔۔ کا نائب/ جانشین بننا، ۔۔۔۔۔ کے پیچھے آنا"، کہتے ہیں "خَلَفَہٗ" وہ اس کے پیچھے آیا"۔۔۔ اور خلَف یخلُف خُلُوْفاً (نصر سے) کے معنی ہیں: "بگڑ جانا، بدبودار (خراب بُو والا) ہونا" یعنی اس صورت میں یہ فعل لازم ہے) ۔۔۔ "خلَف (نصر اور ضرب سے) لَہٗ" کے معنی ہیں: "۔۔۔۔۔ کے پیچھے سے وار کرنا"، اور "خلَف (نصر اور ضرب سے) عَنْ" کے معنی ہیں: "۔۔۔۔۔ سے کٹ جانا، پیچھے رہ جانا"۔۔۔ خلَفہ (ضرب سے) کے معنی: "۔۔۔۔۔ کو پیچھے سے آدبوچنا"۔۔۔ اور خلَف (ن) کے ایک معنی: "کسی کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ سے شادی کرنا" بھی ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں: خلَف فلانٌ علی زوجۃِ فلانٍ (اس نے اس کی (بیوہ) بیوی سے شادی کر لی)۔ (آپ چاہیں تو کسی اچھی ڈکشنری میں اس فعل کے متنوع استعمال کو دیکھ سکتے ہیں)۔

● قرآن کریم میں اس فعل مجرد کے صرف باب نصر سے ہی فعل کے کل پانچ صیغے مختلف جگہ وارد ہوئے ہیں۔ اور وہ بھی صرف "۔۔۔۔۔ کے پیچھے آنا، ۔۔۔۔۔ کا جانشین بننا" کے معنی میں ہی آئے ہیں۔ ثلاثی مجرد کے کسی اور باب سے یا کسی اور معنی کے لیے یہ فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا ۔۔۔ البتہ مزید فیہ کے بعض ابواب (تفعیل، تفعّل، اِفعال، افتعال اور استفعال) سے افعال کے متعدد صیغے (۵۸ جگہ) آئے ہیں۔ اور مختلف مصادر اور مشتقات ساٹھ سے زائد مقامات پر وارد ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ زیرِ مطالعہ لفظ "خلیفۃ" بھی ہے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

● "خَلِيفَة" بروزن "فعيلة" بمعنی "فاعل" ہے یعنی "نیابت کرنے والا"، اور اس کی "ۃ" "مبالغہ کے لیے ہے اور اس کے معنی "نائب، قائم مقام، یا جانشین" ہیں۔ اور یہ نیابت/قائم مقامی/خلافت وغیرہ "منُوب عنہ" (جس کی نیابت کی جائے) کی کسی مجبوری (مثلاً موت یا معذوری یا غیر موجودگی) کے باعث بھی ہو سکتی ہے اور نائب (یا خلیفہ) کی عزت افزائی اور اس کی قابلیت کے اظہار کے لیے بھی ــــــ قرآن کریم میں آدمؑ اور اولادِ آدم (یا ان میں سے بعض خاص افراد) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے) نیابت اور خلافت ملنے کا ذکر، اسی دوسرے معنی کے لحاظ سے ہے ــــــ خلیفہ اور خلافت اسلامی سیاسیات اور تاریخ کی ایک معروف اصطلاح کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی بنیاد بھی یہی (مذکورہ بالا) لغوی معنی ہیں۔

© rasailojaraid.co

● لفظ "خليفة" عموماً مذکر (اور شاذ مؤنث) استعمال ہوتا ہے اس میں "ۃ" تانیث کے لیے نہیں بلکہ مبالغہ کے لیے ہے۔ اس کی جمع "خُلَفَاءُ" بھی ہے اور "خلائِفُ" بھی (دونوں غیر منصرف "جمعیں" ہیں اور دونوں قرآن کریم میں وارد ہوئی ہیں)، بعض اہل لغت کا کہنا ہے کہ "خلفاء" کے ساتھ عدد مؤنث استعمال ہوتا ہے یعنی "ثلاثةُ خلفاءَ" کہیں گے۔ اور "خلائف" کے ساتھ مذکر یا مؤنث عدد لگ سکتا ہے مثلاً "ثلاثةُ خلائفَ" یا "ثلاثُ خلائفَ" دونوں طرح درست ہے۔ تاہم یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر لفظ "خلیفہ" مذکر کے لیے استعمال ہو رہا ہو تو اس کی جمع کے ساتھ عدد مؤنث "ثلاثة" ہی استعمال کرنا بہتر ہے۔

[قَالُوْا] کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "فعلوا" ہے۔ اس مادہ سے فعل کے باب و معنی وغیرہ بلکہ خود اسی لفظ (قالوا) کی مکمل لغوی و صرفی وضاحت البقرہ: ۱۱ یعنی ۲: ۹: ۱(۴) کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔ "قالُوا" کا ترجمہ تو "انہوں نے کہا" بنتا ہے مگر یہاں سیاقِ عبارت کی بنا پر

© rasailojaraid.co

"کہنے لگے" یا "انہوں نے عرض کیا" ہو سکتا ہے۔

[أَتَجْعَلُ] میں ابتدائی "أَ" تو استفہامیہ بمعنی "کیا" ہے۔ اور "تَجْعَلُ" کا مادہ "ج ع ل" اور وزن "تَفْعَلُ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے باب، معنی (بنانا، پیدا کرنا وغیرہ) اور استعمال پر البقرہ: ۱۹ یعنی ۲:۱۴:۱(۷) میں بات ہو چکی ہے۔

"تَجْعَلُ" اس فعل مجرد (جعَل یجعَل) سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور حرفِ استفہام (أ) سمیت اس کا ترجمہ ہے "کیا تو بناتا ہے یا بنائے گا؟" بعض نے اس کا ترجمہ "کیا تو پیدا کرے گا؟"، "کیا تو رکھے گا؟"، "کیا تو قائم کرتا ہے؟" سے کیا ہے۔ اس صورت میں فعل "جعل" کے لیے ایک ہی مفعول کافی ہے، اور بعض (بلکہ زیادہ) نے اس کا ترجمہ "کیا تو نائب بناتا ہے؟ کرے گا؟ بنائے گا؟ بنانا چاہتا ہے؟" کے ساتھ کیا ہے یعنی "بنانا" (مقرر کرنا) کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ اس صورت میں فعل "جعل" کو دو مفعول درکار ہوتے ہیں۔ ان (دو مفعولوں) پر "الاعراب" میں بات ہو گی۔

[فِيْهَا] فی (کے اندر، میں) + ھا (ضمیر مجرور بمعنی "اس مؤنث")۔ اس کا ترجمہ تو "اس میں" ہے مگر بعض حضرات نے یہاں سابقہ "فی الارض" کا لحاظ کرتے ہوئے (کیونکہ ضمیر تو اسی "الارض" کے لیے ہی ہے) اس کا ترجمہ "زمین میں" کر دیا ہے جو سیاق عبارت کے لحاظ سے درست کہا جا سکتا ہے۔ اکثر مترجمین نے "اس میں" کے ساتھ ہی ترجمہ کیا ہے۔

[مَنْ] اسم موصول ہے جس کے معنی ہیں: "وہ جو، جو کہ، جس نے کہ"۔ اکثر مترجمین نے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے "من" کا ترجمہ بصیغۂ واحد ہی کیا ہے یعنی "اس کو جو"، "ایسے شخص کو جو" کی صورت میں — تاہم بعض مترجمین نے یہاں "من" کا ترجمہ بصیغہ جمع کیا ہے یعنی "ایسے لوگوں کو جو...." کے ساتھ۔ کیونکہ یہاں دراصل صرف آدم

© rasailojaraid.com

کا نہیں بلکہ اولادِ آدم کا ذکر ہے ــــ اور لفظ " مَنْ " بلحاظ معنی واحد جمع (ہر دو) کو شامل ہے ۔ " مَنْ " کے معنی و استعمال پر البقرہ : ۸ یعنی ۲ : ۷ : ۱ (۴) میں مفصل بات ہو چکی ہے ۔

[يُفْسِدُ فِيهَا] " فیہا " کے معنی ابھی اوپر بیان ہوئے ہیں ۔ اور کلمہ " يُفْسِدُ " کا مادہ " ف س د " اور وزن " يُفْعِلُ " ہے ، یعنی یہ لفظ اس مادہ سے بابِ افعال کے فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے ۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے باب اور معنی کے علاوہ اس سے باب افعال (اَفْسَدَ يُفْسِدُ) کے معنی وغیرہ کی بھی البقرہ : ۱۱ یعنی ۲ : ۹ : ۱ (۳) میں وضاحت کی جا چکی ہے ۔ بعض نے کلمہ " يُفْسِدُ " کا ترجمہ (یہاں) فعل مستقبل کے ساتھ کیا ہے یعنی " وہ فساد برپا کرے گا ، پھیلائے گا " کی صورت میں کیونکہ اس میں اولادِ آدم کے مستقبل کے اعمال کا ذکر ہے ۔ اکثر مترجمین نے اصل فعل مضارع کے ساتھ ہی ترجمہ کر دیا ہے جس میں حال اور مستقبل دونوں کا مفہوم موجود ہے یعنی " جو فساد کرے ، پھیلائے ، خرابیاں کرے " کی صورت میں ــــ جن حضرات نے اسم موصول " من " کا ترجمہ بصورت جمع کیا ان کو یہاں فعل بصیغہ واحد (یفسد) کا ترجمہ بھی بصورت جمع " کریں گے ، پھیلائیں گے " کرنا پڑا ــــ جو بہر حال اصل لفظ سے انحراف ہے ۔

۲ : ۲۱ : ۱ (۵) [وَيَسْفِكُ] " وَ " (اور) کے بعد فعل " يَسْفِكُ " ہے ۔ جس کا مادہ " س ف ك " اور وزن " يَفْعِلُ " ہے ۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد " سفَكَ ...... يسفِكُ سَفْكًا (باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں ، " ...... (کو) بہانا " ــــ یعنی " کسی سیال اور مائع چیز کو گرانا یا انڈیلنا " ۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی اور مفعول بنفسہٖ کے ساتھ آتا ہے اس کا مفعول عموماً " الماء " (پانی) ، " الدمع " (آنسو) ، اور " الدم " (خون) ہوتا ہے یعنی " پانی بہانا ، آنسو بہانا اور خون بہانا " کے لیے استعمال

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر یہ فعل "خون بہانا یا خون ریزی کرنا" کے لیے مختص ہے۔

● "یَسْفِكُ" اس فعل ثلاثی مجرد سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، اس کا ترجمہ حال اور مستقبل دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ تاہم مذکورہ بالا فعل "یُفْسِد" کی طرح یہاں بھی بعض مترجمین نے تو مستقبل کے ساتھ ترجمہ کیا ہے یعنی "(خون) بہائے گا، (خونریزیاں) کرے گا" کی صورت میں ـــــ بعض نے "مَنْ" (جو اوپر گزرا ہے) کے معنی میں جمع کا مفہوم مدنظر رکھتے ہوئے (کہ قصہ ایک شخص کا نہیں اولادِ آدم کا ہے) جمع اور مستقبل کے ساتھ ترجمہ کیا ہے یعنی "(خونریزیاں) کریں گے"۔ تاہم مترجمین کی اکثریت نے فعل مضارع اور صیغہ واحد کے ساتھ ہی ترجمہ کیا ہے یعنی "خون بہائے، خونریزیاں کرے، کشت وخون کرتا پھرے" ـــــ خیال رہے کہ اس فعل (یسفك) کے ترجمہ (بہانا) میں "خون، خوں ریزی اور کشت وخون" کا اضافہ اگلے لفظ "الدِّمَاءَ" کے ساتھ ملانے سے ہو سکتا ہے۔ جس کی وضاحت ابھی آگے آرہی ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد (سفكَ یسفكُ) کے صرف دو صیغے دو ہی جگہ آئے ہیں۔ ایک یہاں (البقرہ : ۳۰) اور دوسرے (البقرہ : ۸۴) میں۔

۲ : ۲۱ : ۱ (۶) [الدِّمَآءَ] کا مادہ "دم ی" (اور بقول بعض "دم و") اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فِعالٌ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "دِمایٌ" تھی مگر الف ممدودہ کے بعد آنے والی "یاء" یا "واو" کو ھمزۃ میں بدل کر لکھا اور بولا جاتا ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "دمِیَ یَدْمٰی دَمًی" (دراصل دمِیَ یَدْمَیُ دَمْیًا) باب سمع سے آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں: "خون نکل آنا" (اگرچہ بہانہ ہو)۔ پھر اس میں "بہنے اور جاری ہونے" کا مفہوم بھی آجاتا ہے۔ اس فعل کا فاعل عموماً "الجَرْحُ" (زخم) ہوتا ہے یا کوئی عضو۔ مثلاً کہتے ہیں "دمِیَ الجَرْحُ" (زخم سے خون نکل آیا) یا دَمِیَتِ الاِصْبَعُ"

© rasailojaraid.com

(انگلی سے خون نکل آیا) ایسے زخم کو "جرحٌ دمٍ" (دراصل دمِیٌ) کہتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ مادہ مختلف معنی کے لیے مزید فیہ کے مختلف ابواب سے بھی استعمال ہوتا ہے ـــــ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی فعل (نہ مجرد نہ مزید فیہ) کہیں استعمال نہیں ہوا۔

● لفظ "الدماء" جمع مکسر کا صیغہ ہے اس کا واحد "دمٌ" (خون) ہے جس کی اصل "دَمَیٌ" بروزن "فَعَلٌ" تھی۔ پھر اس کی "یاء" تنوین کے ثقل کے باعث ساقط ہوجاتی ہے۔ اور باقی لفظ "دَمٌ" (بروزن "فَعٌ") رہ جاتا ہے۔ مادہ کے یائی اور واوی ہونے کے امکان کی بناء پر اس کا تثنیہ "دمیان" اور "دموان" دونوں طرح بنتا ہے اور لفظ کی استعمالی شکل (دَمٌ) کے مطابق "دَمانِ" بھی آتا ہے۔ "دَمٌ" کی جمع "دِماءٌ" اور "دُمِیٌّ" آتی ہے۔ موخر الذکر جمع قرآن کریم میں مستعمل نہیں ہوئی۔ صرف پہلی شکل (دماءٌ) بصورت مفرد یا مرکب استعمال ہوئی ہے اور وہ بھی صرف تین جگہ ـــ اور واحد کا لفظ بصورت واحد نکرہ (دم یا دمًا) تین جگہ اور بصورت معرفہ (الدم) چار جگہ آیا ہے۔

ہم یہ بات اوپر لکھ چکے ہیں کہ ترجمہ کرتے وقت پورے جملے "یسفك الدما" کا اکٹھا مربوط ترجمہ کرنا پڑتا ہے، اگرچہ لغوی لحاظ سے ان دو کلمات (یسفك اور الدماء) کی الگ الگ وضاحت کرنا پڑی ہے۔

۲:۲۱:۱(۷) [وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ] "وَ" یہاں حالیہ (بمعنی حالانکہ) ہے اور "نَحۡنُ" ضمیر مرفوع منفصل بمعنی "ہم سب" ہے۔ اور فعل "نُسَبِّحُ" کا مادہ "س ب ح" اور وزن "نُفَعِّلُ" ہے۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد سَبَحَ یَسۡبَحُ سَبۡحًا (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں: "تیرنا (انسان کے لیے) یا پیرنا (حیوان کے لیے)" یعنی "پانی (یا ہوا) میں سے تیز رفتاری سے جانا"۔ یہ فعل ہمیشہ "ب" یا "فی" کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں: "سَبَحَ بالنھر وفی النھر (وہ نہر میں تیرا)"

© rasailojaraid.co

"سَبَحَ النَّھرَ" کہنا بالکل غلط ہے۔

پھر یہ فعل بطور استعارہ سیاروں کی گردش، گھوڑوں کی تیز رفتاری، اور آدمی کی کاروباری اور معاشی بھاگ دوڑ (اور مصروفیات) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم میں ان (استعارہ والے) معنوں میں استعمال کی گئی مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی (مثلاً "السابحات" اور "سبحاً طویلاً") اور یہی فعل مجرد (مصدر کے فرق کے ساتھ) "سبح یسبح سُبحانا (کی صورت میں)" سبحان اللہ" کہنا کے معنی بھی دیتا ہے، اور ان معنی کا تعلق ہمارے اس وقت زیر مطالعہ کلمہ "نُسَبِّحُ" کے ساتھ بھی ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوگا۔

● قرآن کریم میں اس مادہ (سبح) سے فعل مجرد سے تو مضارع کا ایک ہی صیغہ "یسبحون" دو جگہ (الانبیاء: ۳۳ اور یٰسٓ: ۴۰) آیا ہے، اور مصدر "سَبْحٌ" (بصورت نصب "سبحاً") بھی دو ہی جگہ (المزمل: ۷ اور النازعات: ۳) آیا ہے۔ البتہ دوسرا مصدر "سبحان" (مختلف تراکیب میں) چالیس جگہ وارد ہوا ہے۔ اور اسی فعل سے اسم الفاعل (جمع مؤنث) "السابحات" بھی صرف ایک جگہ (النازعات: ۳) آیا ہے اور اسی مادہ (سبح) سے مزید فیہ کے صرف باب تفعیل سے افعال کے مختلف صیغے آٹھ جگہ اور اسماء مشتقہ ۴۴ جگہ آئے ہیں۔ اور اسی باب (تفعیل) کا مصدر "تسبیح" بھی صرف دو جگہ استعمال ہوا ہے۔ ان سب پر اپنی جگہ بات ہوگی۔

● زیر مطالعہ کلمہ "نُسَبِّحُ" اس مادہ (سبح) سے باب تفعیل کے فعل مضارع کا صیغہ جمع متکلم ہے۔ اور اس باب سے فعل "سَبَّحَ ...... یُسَبِّحُ تسبیحًا" کے معنی ہیں: "...... کی پاکیزگی بیان کرنا، ...... کو سراہنا، ...... کی خوبیاں بیان کرنا یا پڑھنا، ...... کی پاکی بیان کرنا، ...... کی تسبیح کرنا"۔ (اس فعل کا مصدر "تسبیح" اردو میں مستعمل تو ہے مگر "تسبیح" کی گنتی کرنے والے ایک دھاگے میں پر دئے ہوئے "دانوں" پر مشتمل "مالا" کو بھی "تسبیح" کہا جاتا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ہے ، جدید عربی میں اسے " مُسَبِّحَۃٌ " کہتے ہیں۔ اس لفظ کے بھی اصل معنی " دعاء " ہیں)۔

یہ فعل (سبّح) متعدی ہے اور یہ مفعول بنفسہٖ کے ساتھ بھی آتا ہے اور اس کے ساتھ لام (لِ) کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے یعنی " سَبَّحَہٗ " بھی کہتے ہیں اور " سَبَّحَ لَہٗ " بھی۔ اور قرآن کریم میں دونوں طرح وارد ہوا ہے۔

[بِحَمْدِكَ] یہ " بِ " (کے ساتھ) + حَمْد (تعریف) + كَ (تیری) کا مرکب ہے۔ باء الجر (بِ) اور کلمہ " الحمد " کے معانی وغیرہ پر استعاذہ اور سورۃ الفاتحہ کی ابتداء میں بحث ہو چکی ہے۔ یہاں اس مرکب جاری (بحمدک) کا لفظی ترجمہ ہے " تیری تعریف/حمد کے ساتھ "۔ مگر اس (مرکب) کا (بلحاظ معنی) تعلق سابقہ فعل " نُسَبِّحُ " کے ساتھ ہے۔ لہٰذا اس کے اعرابی ترکیب کے لحاظ سے ترجمہ پر ابھی آگے بحث " الاعراب " میں بات ہوگی۔

۲:۲۱:۱ (۸) [وَنُقَدِّسُ لَكَ] یہ " وَ " (اور) + نقدس (جس کے معنی پر ابھی بات ہوگی) + لَكَ = " لِ كَ " (تیرے لیے) کا مرکب ہے۔

اس میں فعل " نُقَدِّسُ " کا مادہ " ق د س " اور وزن " نُفَعِّلُ " ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (ثلاثی) " قَدُسَ یَقْدُسُ قُدْسًا (باب کرُم سے) آتا ہے اور اس کے معنی " پاک ہونا ، پاکیزگی میں برتر ہونا " ہیں، اور اس کے ایک معنی " بابرکت ہونا " بھی ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس فعل ثلاثی مجرد کا کوئی صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا۔

● زیرِ مطالعہ لفظ " نُقَدِّسُ " اس مادہ (قدس) سے بابِ تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے۔ باب تفعیل کے اس فعل قَدَّسَ ... یُقَدِّسُ تقدیسًا کے بنیادی معنی ہیں : " ..... کو پاک بنانا "۔ اس فعل کے فاعل اور مفعول کے طور پر اللہ عزوجل کا نام آتا ہے اگر اس کا فاعل " اللہ " ہو مثلاً " قَدَّسَ اللّٰہُ فلانًا " تو اس کے معنی ہوتے ہیں " ..... کو پاکیزگی عطا کرنا ، ..... کو مقدس بنانا ، ..... کو پاک کرنا ، ..... کو پاکیزگی میں بڑھانا اور برکت عطا کرنا "

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اور اگر " اللہ " اس فعل کے مفعول کے طور پر مذکور ہو جیسے " قَدَّسَ (فلانٌ) اللہَ " تو اس کے معنی ہوتے ہیں : ۔۔۔۔ (اللہ) ۔۔۔۔ کی پاکیزگی بیان کرنا ؛ ۔۔۔ کو ہر عیب اور نقص سے پاک اور منزہ قرار دینا ، ۔۔۔۔۔ کے قُدّوس ہونے کی صفت بیان کرنا یا ۔۔۔۔ کی تقدیس کرنا " (اس لیے کہ اردو میں تکریم اور تعظیم کی طرح لفظ " تقدیس " بھی متعارف ہے ۔)

● اس فعل (قَدَّسَ) کا مفعول بہ ہمیشہ بنفسہٖ آتا ہے (جیسا کہ ابھی اوپر " قَدَّسَہ اللہُ " اور قَدَّسَ اللہَ " میں آیا ہے)، تاہم کبھی اس کے مفعول پر لام (لِ) کا صلہ بھی آتا ہے مثلاً کہتے ہیں " قَدَّسَ لِلّٰہ " یا جس طرح یہاں زیر مطالعہ عبارت میں ہے (نُقَدِّسُ لکَ) ۔ اس (صلہ کے ساتھ والی) صورت میں " لکَ " کے معنی " لِاَجْلِکَ (تیری، تیرے لیے) ہوتے ہیں ۔ اور " نقَدِّس لِ ۔۔۔۔ " کے مصدری معنی " ۔۔۔۔۔ کی خاطر اپنے آپ کو پاکیزہ رکھنا " ، ۔۔۔۔ اس (کی حمد بیان کرنے) کے لیے طہارت حاصل کرنا ہوتے ہیں ۔ اور شاید اسی بناء پر بعض تابعین سے اس (نقدس لکَ) کے معنی نُصَلِّیْ (نماز پڑھتے ہیں) مروی ہوتے ہیں [1] جو بعض کتبِ لغت میں بھی بیان ہوئے ہیں [2] ۔ اور بعض نے " لَکَ " کے معنی " لِاَجْلِکَ " (تیری خاطر ، تیرے لیے) بیان کرنے کے علاوہ (جو اوپر مذکور ہوئے ہیں) اس " لام " کو زائد بھی قرار دیا ہے گویا " نقدس لَکَ " اور " نقدِّسکَ " بلحاظ معنی برابر ہیں [3] ۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ اردو مترجمین نے " نقدس لکَ " کا ترجمہ " نقدِّسکَ " کی طرح کیا ہے ۔ یعنی " تیری پاکی بیان کرتے ہیں " ، " تیری پاک ذات کو یاد کرتے ہیں " ، " تیری تقدیس کرتے ہیں " ، " تیری پاکیزگی (کا ذکر اور بیان) کرتے ہیں " ۔ مندرجہ بالا عبارت " نسبح بحمدك و نقدس لكَ "

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

---

[1] العمدہ فی غریب القرآن (للقیسی) ، ص ۴۳ ۔ [2] مثلاً المعجم الوسیط تحت مادہ " قدس "

[3] التبیان (للعکبری) ، ج ۱ ص ۴۷ ۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c